

افادات مولانا عبید اللہ سندھی

تمہید کتاب سطحات (اقام ولی اللہ)

مولانا عزیز احمد عبید اللہ

عام طور پر وجود کو واجب اور ممکن اور بھرمکن کو حادث اور قدیم میں تقسیم کیا۔
حقائق پر پوری بحث ختم کرنے کے بعد جن معانی میں یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں وہ
ثابت ہوتے کیونکہ ہر موجود کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی علت کی تاثیر سے واجب
وجود کے ساتھ وجوب ضروری ہو گیا تو یہ بحث کہ یہ وجوب بالذات ہے یا وجوب بالغیر
درجہ پر رہ جاتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ وجوب بالغیر جہاں ہو گا وہ وجوب بالذات سے دوسرے
پر مانا جائے گا اس لئے وجود کے مراتب کی صحیح مثال انسان کی ذہنی معلومات میں غا
اور جتنی علوم میں ملتی ہے۔ انسانی ذہن تینوں مراتب کے لئے قیومیت کا درجہ رکھتا۔
عقلیت ذہن سے بلا واسطہ تعلق رکھتی ہے اور خیالیت عقلیت کے بعد اور ایسے
خیال کے بعد مگر نفس انسانی تینوں چیزوں کا براہ راست قیوم ہے۔ اشراقی حکماء
میں وجود ایک قیوم کے ساتھ قائم ہے پھر اس میں مراتب ضرور مختلف ہیں۔ یہ بحثیں
اور شاہ ولی اللہ صاحب کی مفصل کتابوں میں پڑھنی چاہئیں۔

اس وقت کوئی سی اصطلاح سامنے رکھی جائے عقل مندوں کی تمام جماعتیں وجود کے تین مراتب ماننے پر متفق ہیں۔ پہلا مرتبہ واجب بالذات یا قیوم حقیقی یا ذات بحت۔ دوسرا مرتبہ صادر اول یا ممکن واجب بالغیر قدیم یا صفات الہیہ یا مرتبہ عقل، یہ سب اس دوسرے درجے کی مختلف تعبیریں ہیں۔ اس کے بعد تیسرا درجہ جسے عالم یا کائنات یا قیوم حقیقی سے بالواسطہ تعلق رکھنے والا وجود یا شخص اکبر۔ ان تین مراتب پر عقلمند متفق ہیں یعنی انسانی عقل ان مراتب کا انکار نہیں کر سکتی۔

اس کے اندر راز یہ ہے کہ انسان اُسی چیز کو سمجھ سکتا ہے جو اس کی ذات میں ہو یا پھر کسی چیز کو اس پر قیاس کر لیتا ہے اس لئے سب سے پہلے اس مسئلہ میں یقین پیدا کرنا چاہیے کہ انسان کیا ہے۔ ہم اپنی معلومات و حصول میں تقسیم کر کے بیان کریں گے پہلا حصہ فرضیات (تھیوری)، دوسرا حصہ خواص اور لوازم پھر عقلی اور خیالی دلیلوں سے یا مشاہدہ اور تجربہ سے بحث کرنے کے بعد اس تھیوری کو واقعی ماننا یہ دوسرا حصہ ہمارا سائنس اور حقائق سے تعبیر کیا جائے گا۔ انسان کی ذات کے متعلق ہماری تھیوری یہ ہے۔ سب سے پہلے بدن انسانی ہے جو موت کے بعد دفن کر دیا جاتا ہے یا جلا دیا جاتا ہے۔ اس کے اندر ایک جزو وہ ہے جسے نسہ یا جسمانی روح یا طبعی روح کہا جاتا ہے وہ نباتات میں حیوانات میں انسانوں میں یکساں پایا جاتا ہے۔ نباتی روح یقیناً ایک جسم لطیف ہے جب وہ جدا ہو جائے تو باقی جسم نشوونما سے محفل ہو جاتا ہے اسی طرح کی روح ہر حیوان میں ملتی ہے جس کے علیحدہ ہونے سے اس حیوان کی موت طاری ہوتی ہے وہ حیوان حس و حرکت سے محفل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کی روح انسانی بدن میں پھیلی ہوئی ہے جب یہ روح علیحدہ ہو جائے تو انسانی نشوونما اور حس و حرکت اور سوچ بچار سب ختم ہو جاتی ہیں۔ اس حیوانی روح کے ساتھ تیسرا جزو ہم نفس ناطقہ مانتے ہیں۔ اس کی تشریح سے پہلے ہمیں کلی اور جزئی کی نسبت سمجھنا ضروری ہے۔ ہم وجود کے موطن مختلف مانتے ہیں ایک موطن میں کلی

لے اگر عقلی ہے تو فلسفہ کہلائے گا اور اگر مشاہدہ اور سائنس سے ثابت کیا جائے تو حقائق کہلائے گا۔

بشکل جزئی موجود فی الخارج ہوتی ہے۔ اس سے نازل موطن میں اس کلی کے عکس مختلف ملایا میں مکرسم ہوتے ہیں۔ اس سے جزئیات پیدا ہوتی ہیں گویا ہمارے نزدیک کلی اور اس کی ایک جزئی میں سوائے اختلاف موطن کے اور کوئی فرق نہیں اسی اختلاف موطن کا یہ اثر ضرور ہے کہ کلی اپنے موطن میں ایک ہی ہو سکتی ہے اور جزئی موطن میں تعدد کا امکان ہے جس قدر آئینے زیادہ ہوں اسی قدر جزئیات پیدا ہو سکتی ہیں مگر ایک ایک جزئی کو جب کلی کے مقابلے میں دیکھا جائے گا وہ دو مختلف موطن کو دو جزئیں ہوں گی۔ اس مسئلہ پر جیسے کفلاطون کی رائے تھی ہمارے ائمہ شاہ ولی اللہؒ نے لے کر مولانا محمد قاسمؒ تک سب ایک ہی خیال پر متفق ہیں منطق کی جتنی کتابیں درس میں داخل ہیں ان میں اس قول کی تردید مختلف پہلوؤں سے بڑھائی جاتی ہے۔ استاد حیات تک خود محقق نہ ہو طالب العلم کو ہمارے عقیدے پر تشفی نہیں دلا سکتا۔ یہ بھی ایک بہت بڑا سبب ہے جس سے طلبہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی کتابیں سمجھنے سے عاجز آجاتے ہیں۔ جملہ معترضہ ختم ہوا۔

اس اختلاف موطن کو سطحات کے پہلے سطح میں اس طرح واضح کر دیا گیا ہے۔

برخاتم لفظ زید نقش کر دیم بعد ازیں موم یا گل آوردیم و خاتم را بروے

زدیم نقش خاص بالفعل حال در موم یا گل پیدا شود۔

اب یہاں زید کے لفظ کا ایک موطن وہ محتاج خاتم بر نقش کیا گیا دوسرا موطن یہ ہے کہ اس کا عکس موم یا مٹی میں پیدا ہوتا ہے۔ پہلے موطن میں زید کو کلی کہا جاتا ہے دوسرے موطن میں زید کو جزئی کہا جائے گا اس پر یہ لفظ دال ہیں ”آں کلی است و ایں جزئی“ پہلا اشارہ زید کی طرف ہے جو خاتم پر نقوش ہے اور دوسرا اشارہ اس زید کی طرف ہے جو مٹی پر نقش ہوا۔ جیسے اختلاف موطن سے کلی اور جزئی کی حقیقت سمجھ میں آتی ہے اسی طرح ایک دوسرا لفظ ہے اس کا مطلب بھی سمجھ لینا چاہیے جزئی کو شہادی کہا جاتا ہے اور کلی کو اس کا مرتبہ عقل مانا جاتا ہے یا جزئی کو موجود مانا جاتا ہے اور اس کی کلی کو عین ثابت کہا جاتا ہے۔ یہ دوسری اصطلاح عبقات کی ہے۔ یہاں پر یہ تمہیدی جملہ ختم ہوا۔

انسان کلی اپنے موطن میں ایک جزئی کی شکل میں موجود ہے، اسے امام النوع کہا جاتا ہے اس کا عکس اس کے متصل نورانی آئینوں میں جس کا نام عالم مثال ہے پڑتا ہے یعنی مثال کے کاغذ پر امام نوع کی جو تصویر آئے گی وہ اس کی ایک جزئی ہوگی یہ جزئی ایک انسان کے لئے اس کا نفس ناطقہ بنے گی اس طرح سمجھنا چاہیے کہ اس موطن میں جس قدر جزئیات امام نوع کی منعکس ہوئیں، اتنے ہی انسان پیدا کرنا حق کو منظور ہوں گے یہ نفس ناطقہ نسیم کے ساتھ منطبق ہو جاتا ہے اور نسیم کو اپنی شکل پر ڈھال لیتا ہے اور اس کے واسطے بدن میں تاثیر کرتا ہے اور بدن کو امام نوع کی صورت پر لے آتا ہے یہ تیسرا جزو ہے انسانیت کا ہمارے نظریات میں۔

اس نفس ناطقہ میں ایک نقطہ ایسا نورانی ہے کہ وہ واجب الوجود کا جتنا تصور بلکہ اس کی جیسے مثال نفس ناطقہ میں آسکتی تھی وہ اس کی مکمل شکل ہے۔ اس نقطہ کو ہم تجریمت کہتے ہیں، یہ نورانی شعلہ ملکیت کے لطیف کاغذ پر قائم رہتا ہے، اس طرح ہم نفس ناطقہ سے اور روح ملکوتی مانتے ہیں جو تجریمت کے لئے آئینہ اور کاغذ بن سکتا ہے۔ یہ جو تھا جزو ہوگا انسانیت کا۔ اس کے بعد تجریمت ہی ایک نورانی منکرا انسانیت میں باقی رہتا ہے جسے ہم پانچواں جزو انسانیت کا مانیں گے۔ ہمارے اس نظریے کی پوری تفصیل الطاف القدس میں ملے گی۔

اب ہم اس مسئلہ کی طرف آتے ہیں جسے انسان کامل اپنے اندر تجریمت کا مشاہدہ کرتا ہے اور پھر اس کے گرد ملکوتی کاغذ کو لپیٹا ہوا دیکھتا ہے اسی طرح واجب الوجود کو تجریمت کے درجے پر اور اس کی صفات لازمہ کو روح ملکوتی کی شکل میں خیال بناتا ہے۔ اب تجریمت کے درجے پر جو درجہ وجود کا مستقل انسان کے ذہن میں آئے گا اسے ذات بحت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ جو درجہ روح ملکوتی کی طرح پڑ ہوگا، اسے حکماء مرتبہ عقل کہتے ہیں اور ربی لوگ مرتبہ صفات سے تعبیر کرتے ہیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جو صفات ذات کے بعد مانے جاتے ہیں وہ ممکن بالذات واجب بالذات اور قدیم ازلی ابدی سمجھے جاتے ہیں یہ اوصاف جیسے ملی لوگوں کے نزدیک صفات الہیہ کے لئے ضروری ہیں اسی طرح حکماء

کے نزدیک بھی صفات مرتبہ عقل کے لئے ضروری ہیں۔ اسی طرح عقل کو ماننا یا صفات زائد مع الذات ماننا نزاع عقلی کے قریب ہو جاتا ہے۔

اب انسان اپنے نفس ناطقہ کو انسانیت کا مصداق مانتا ہے جس وقت میں کہتا ہے تو اس وقت اس کی مراد نفس ناطقہ ہوتی ہے۔ تمام کائنات کو جو مرتبہ ذات بحت و عقل کے بعد ہے انسان ایک بڑے انسان کی شکل میں سوچتا ہے اسے شخص اکبر کہا جاتا ہے اس کا نفس ناطقہ جو ہوگا اسے نفس کلیہ کہا جاتا ہے اس کا جو بحت جو ہوگا اسے تجلی اعظم کہا جاتا ہے۔ چونکہ انسان اس چیز کو سمجھ سکتا ہے جو اس کے اندر ہو یا جو اس کی نظیر ہو ہم نے جب اپنے نظریے میں انسان کے اجزاء میں کر دیئے تو اس قاعدے سے ہم تمام وجود کو تین حصوں میں تقسیم کریں گے۔ ذات بحت، مرتبہ عقل اور شخص اکبر۔ یہاں پر یہ بحث ختم ہو گئی کہ ہم کیوں وجود کو ان تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں تمام انسانیت کے عقلمندوں نے کیوں وجود کے تین حصے تسلیم کئے۔

تتمہ ۱:- یہاں ایک ضمنی بحث تتمہ کے طور پر لکھنا ضروری ہے۔ ہم نے جن عقلمندوں کو اس مسئلہ پر متفق مانا ہے وہ فقط وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن میں ہم اپنی اصطلاح خاص میں کامل کہتے ہیں یعنی وہ اپنے اندر جو بحت کو مشاہدہ کر لیتے ہیں اور اس کے ذریعہ سے وہ تمام وجود کو سمجھ سکتے ہیں۔ اس قسم کے تمام کامل انسانوں کا اور ان کے تمام متبعین کا اتفاق ہے کہ وجود کو تین مرتبوں میں ماننا چاہیے۔ مگر ایک ایسا طبقہ عقلمندوں کا جس نے انسانیت کی تحلیل کرنے میں بدن انسانی کو سمجھنے میں زیادہ وقت صرف کر دیا اور اس کے ساتھ نسیم کا لازم اس کی عقل میں روشن ہو گیا مگر نفس ناطقہ اور امام النوع کا سمجھنا ابھی باقی ہے۔ وہ اس نقصان کے زمانے میں سوائے مادے کے مرتبہ عقل یا مرتبہ ذات بحت کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔ یہ انکار کا جہل بسیط ہے، یعنی انہیں ابھی فرصت نہیں ملی کہ وہ اپنے نظریات کے مطابق ان مسائل کو حل کر سکیں ایک سائنسٹ مادی تحقیقات میں منہمک ہو کر اپنی بے بساطی کا ان لفظوں میں اقرار کرتا ہے کہ میں سائنس کا محیط نہیں ہوں بلکہ میری مثال ایسی ہے جیسے سمندر کے کنارے پر

ستمبر ۶۶ء

۲۸۹

الرحیم حیدر آباد

ایک بچہ سیپ سے کھیل رہا ہو اس کا یہ کہنا کہ سیپ کے سوا اور کوئی چیز نہیں اسی
 معنی میں ان ناقص طالب علموں کے اقوال سمجھنے چاہئیں۔ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وجود
 کے مسئلہ کو سمجھنے والا انسان کبھی خدا کا انکار نہیں کر سکتا۔ اس لئے ہم شاہ ولی اللہ
 کا فلسفہ جو وجود کی وحدت حقیقی پر مبنی ہے یا پرانی ویدانت فلاسفی کی دوسری
 ایڈیشن ہے اس سائنس کے عروج کے زمانے میں اس فلسفہ کا پڑھنا ہم ضروری
 قرار دیتے ہیں، تاکہ اصطلاحی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو کر خدا کا انکار نہ کیا جاسکے۔
 سطح اول کی تہذیب ختم ہوئی۔ الحمد للہ علی ذلک۔

مولانا عبید اللہ سندھی

مولانا سندھی مرحوم کے حالات زندگی، تعلیمات اور سیاسی افکار
 پر یہ کتاب ایک جامع اور تاریخی حیثیت رکھتی ہے، یہ ایک عرصے سے نایاب
 تھی۔ یہ کتاب دین، حکمت، تاریخ اور سیاست کا ایک اہم مرقع ہے۔
 قیمت ۱- مہلہ چھ روپے پچتر پیسے

سندھ ساگر اکادمی۔ چوک مینار۔ اتارکلی۔ لاہور